قیامِ پاکستان: مختلف نقطہ ہائے نظر

ڈاکٹر ساجد محمود اعوان*

Abstract

Intellectual discourse and divergence of opinions about the partition of Indo Sub-continent and the creation of two separate independent states of India and Pakistan can be classified into four major categories so far as the present study is concerned. An unbiased and impartial approach has been applied to design the theoretical framework of this study keeping in view the four major opinions i.e. to observe the creation of Pakistan in the light of (i) International Rivalry between Communism and Capitalism (ii) Economic Controversy between Agriculturalists and Industrialists (iii) Divide and Rule Policy of the British Colonial Empire and (iv) Ideological Basis. Each of the opinion with its own interesting features tries to define and interpret the establishment of Pakistan in its own way. Taking a holistic view of the partition in general and analyzing the creation of Pakistan in the light of different views in particular is the hallmark of this academic endeavour.

دوسری عالی جنگ[1] (۱۹۴۹ـ۱۹۴۵) کے بعد دُنیا میں نمایاں سیاسی، معاشی ،معاشرتی اور جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دُنیا کے نقشے پر کئی نئے ممالک ابھرآئے اور بڑی بڑی سلطنتیں روبہ زوال ہوئیں۔ اسی کے نتیجے میں برصغیر پاک و ہند کو آزادی ملی اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کی کوکھ سے دو آزاد اور خود مختار ممالک ہندوستان اور پاکستان نے جنم لیا۔ بین الاقوامی سطح پر آنے والی اس نوع کی اکثر تبدیلیوں، حادثات یا واقعات کے پیچھے کم وبیش

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت پاکستان، قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ایک ہی طرح کے اسباب وعلل کار فرما تھے۔ تاہم ہر علاقے کے لوگوں اور ہر قوم کے نمائندوں نے ان تبدیلیوں کو اپنی کا وشوں، جدوجہد اور تحاریک کا مرہون منت مانا، سمجھا اور قرار دیا۔۲ لیکن دنیا کے سیاسی معاشی اور معاشرتی تجزیہ نگاروں نے انہیں اپنے اپنے مخصوص اندازِ فکر کے پس منظر میں دیکھا اور ایسے واقعات کی مختلف تو جیہات کی بنا پر انہیں مختلف اسباب وعلل کا نتیجہ قرار دیا۔ کچھ ایسا ہی معاملہ مملکتِ پاکستان کے وجود میں آنے کا بھی ہے۔ مختلف اندازِ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اسے مختلف انداز میں دیکھا اور اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔ جو ایک دوسرے سے نہ صرف مختلف بلکہ متضاد بھی ہیں۔ ویسے تو جتنے منہ اتنی باتوں کے مصداق اس ضمن میں کئی آراء پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان تمام آراء کو ہم چار بڑے نقطہ ہائے نظر میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان بین الاقوامی چپقلش۔

International Rivalry Between Communism and Capitalism.

۲۔ صنعت کار اور زمیندار طبقے میں معاشی کشمکش۔

Economic Controvery Between Agriculturists and Industrialists

۳۔ برطانوی سامراج کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی۔

Divide and Rule Policy of the British Empire

۴۔ نظریاتی بنیاد۔

Ideological Basis

یہ وہ مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں جو قیام پاکستان کو اپنے اپنے انداز میں دیکھتے ہیں۔ پہلے نقطہ نظر کا دعوی ہے کہ جس دور میں برصغیر کو آزادی ملی اس دور میں دُنیا کے دو بڑے معاشی اور سیاسی نظاموں کے درمیان بین الاقوامی چپقلش زوروں پر تھی جسکے نتیجے میں برصغیر کو واحد ملک کی بجائے دو اور صرف دو ہی ممالک کی صورت میں آزادی ملی اور پاکستان کا قیام عمل میں آسکا۔ ورنہ اسے ایک ہی ملک یعنی متحدہ ہندوستان کی صورت میں آزادی ملتی یا پھر ہندوستان کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں یعنی ممالک میں تقسیم ہو کر آزاد ہوتا۔ اسکی تفصیل کچھ یوں ہے کہ سولہویں صدی عیسوی میں یورپی دُنیا میں صنعتی انقلاب آنے کی وجہ

سے مختلف صنعتی ممالک میں معاشی دوڑ شروع ہوئی جو بعد میں سیاسی مقابلے کی صورت اختیار کر گئی۔ دراصل جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو وہاں کی صنعت کو چلانے کے لئے زرعی اور معدنیاتی خام مال(Raw matecal)انکے اپنے ملکوں میں مطلوبہ مقدار میں میسر نہ تھا۔ اور دوسرے ممالک سے خام مال خرید کر اپنی صنعت کو چلانا انکے لئے صود مند یا قابلِ قبول نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے سامراج کا روپ دہارنے اور غریب ممالک پر قبضہ کرکے بڑی بڑی سلطنتیں (Empires) بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا جس سامراجیت (Empekialism) کی بنیاد پڑی۔[۳] ان سامراجی طاقتوں نے کمزور ممالک کو اپنا غلام (Colony)بنا لیا۔ شروع شروع میں ابھرنے والی طاقتوں میں پرتگال، ولندیز، فرانس اور برطانیہ شامل ہیں۔

جنہوں نے (Colonialism) کو فروغ دیتے ہوئے دُنیا کے تقریباً تمام غریب ممالک کو اپنا غلام بنا لیا۔ وہاں سے خام مال اکٹھا کرکے اپنی صنعت چلاتے اور مصنوعات (Final Products) بنا کر انہیں مہنگے داموں فروخت کرتے اس طرح غریب ممالک کی اجناس، زرائع، وسائل اور دولت ہر چیز سرمراجی طاقتوں کی ملکیت بنتی گئی۔ اسطرح اس سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کے تحت غریب ملک غریب سے غریب تر اور ا میر ملک امیر سے امیر تر ہوتے گئے۔ دُنیا دو بڑے طبقات یعنی امیر (Haves)اور غریب (Have nots) میں بٹ کر رہ گئی۔[۴] روزبروز بڑھتی ہوئی اس طبقاتی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی تفریق اور تفاوت کے ردِعمل کے طور پر روس میں ایک نئے نظام نے اشترکیت (Communism) کی صورت میں جنم لیا۔ اور دن بدن نہ صرف مضبوط بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت کُچلے ہوئے لوگوں کیلئے مسیحا کی صورت میں ہر دلعزیز ہوتا گیا۔اب یہ دونوں نظام یعنی سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت ایک دوسرے کی ضد تھے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں اشتراکیت قائم نہیں ہوسکتی جبکہ اشتراکیت کے نظام میں سرمایہ دار طبقے کی کوئی گنجائش نہیں تھی بلکہ وہ برابری کے اصول پر ہر فرد کیلئے برابر مواقع اور حقوق کے ساتھ ساتھ سرمایہ اور وسائل کے مشترکہ اصراف کا علمبردار ہے۔ اب اشتراکیت کا روز افزوں بڑھتا ہوا اثر و

نفوز دُنیا کے سرمایہ دار طبقے کو اپنی موت کی صورت میں نظر آرہا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی تمام صلاحتیں اور وسائل اشتراکیت کے خاتمے، اور جڑ سے اکھاڑنے اور اسکے عدم پھیلاؤ (containment) پر مرکوز کر دیے۔[۵] دوسری جانب بین الاقوامی سطح پر ایک اور بڑی تبدیلی یہ کہ چند مزید ممالک[۲] میں بھی صنعتی انقلاب رونما ہو گیا، لیکن اس وقت تک ساری کی ساری غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر دُنیا پر ان سامراجی طاقتوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ نئی ابھرنے والی صنعتی طاقتوں کو اپنی صنعت چلانے کیلئے چند مظلوم یعنی غلام قوموں (Colonies) کی ضرورت تھی جہاں سے وہ خام مال لے کر اپنی صنعت کو فروغ دے سکیں۔ انہوں نے اس وقت کی سامراجی طاقتوں سے علاقوں کی نئ تقسیم (Redistribution of Colonies) کا مطالبہ کیاجو کہ اُنہوں نے طاقت کے زور پر سرے سے رد کر دیا۔ نومولود طاقتوں کے اتنی پا س فوجی اور سیاسی طاقت نہ تھی کہ وہ قائم شدہ سامراجی طاقتوں سے مقابلہ کر کے یہ علاقے چھین سکیں۔لہٰذا انہوں نے کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے کے اصول پرعمل کرتے ہو ئے یہ سوچ کر جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ چاہے ہم یہ علاقے (Colonies) ان طاقتوں سے چھین نہ بھی سکیں لیکن ہم انہیں اُنکے قبضہ میں رہنے بھی نہیں دیں گے۔ لہٰذا غریب اقوام کی اس بندر بانٹ اورصنعتی و سامراجی طاقتوں کی اس باہمی معاشی اور سیاسی کشمکش نے دُنیا کو دو عالمی جنگوں [عالمی جنگ اول (۱۹۱۸-۱۹۱۴) اور عالمی جنگ دوم (۱۹۴۵-۱۹۳۹) کی آگ میں جھونک دیا۔[۶]

نتیجہ وہی ہو ا جسکی نومولودصنعتی طاقتیں امید لگائے بیٹھیں تھیں اور مسلّمہ صنعتی طاقتوں کو اسکی توقع نہ تھی۔ لہٰذا اگر یہ دو عالمی جنگیں نہ ہوتیں بلکہ اگر ہٹلر اپنی جارہانہ جنگی حکمتِ عملی سے ان سامراجی طاقتوں کی کمر نہ توڑتا تو تیسری دُنیا کی غلام قوموں کو بھی آزادی نہ ملتی اسی لئے ہٹلر کو تیسری دُنیا کا لیڈر یا ہیرو کہا جاتا ہے۔

پس جب تاجِ برطانیہ کی کمر ٹوٹ چکی اور وہ اس علاقے پر قبضہ رکھنے کے قابل نہ رہا تو اس نے یہاں سے نکلنے اور اس علاقے کو آزادی دینے کیلئے ایسا لائحہ عمل تیار کرنے لگا جسکے تحت یہ علاقہ مستقبل میں اشترکیت کے زیرِ سایہ آکر نظام اشتراکیت کا حصہ نہ بن

سکے۔کیونکہ اس صورت میں روس کو گرم پانیوں یا بہتے پانیوں تک بحیرہ عرب اور بحرِ ہند کے ذریعے رسائی مِل جاتی۔ یہ بات اس دور کی ہے جب وہی قومیں دُنیا پر حکومت کرتی تھیں جو دُنیا کے پانیوں پر راج کرتی تھیں اور روس کو جو مسئلہ سب سے زیادہ در پیش تھا۔ وہ یہ تھا کہ اگر چہ روس کی مقبولیت دُنیا میں بڑھ رہی تھی لیکن اسکی رسائی بہتے پانیوں تک نہ تھی۔ جو سمندر اسے میسر تھا وہ سارا سرد پانی یعنی برف کی صورت میں جمے ہوئے سمندر کی شکل میں تھا۔جسمیں جہاز رانی ممکن نہ تھی جو کہ روس کی ترقی اور اشتراکیت کے فروغ میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔۸ لہٰذا روس کے ممکنہ دو راستے تھے ایک ہندوستان کے ذریعے بحیرہ عرب تک اور دوسرا ایران کے ذریعے خلیج فارس تک۔ ان دونوں میں آسان ترین اور موئثر ترین راستہ ہندوستان کے ذریعے بحیرہ عرب تک تھا۔ اسی رستے کے حصول کیلئے روس نے اس علاقے میں برطانیہ سے تین جنگیں لڑیں۔لیکن وہ یہ علاقہ چھیننے میں نا کام رہا۔۹

اب جب تاجِ برطانیہ دو عالمی جنگوں کے نتیجے میں اپنی کمزوری کے ہاتھوں اس علاقے سے نکلنے پر مجبور ہو گیا تو اس نے سوچا کہ اس علاقے کو اس طرح آزادی دے کر جائے کہ ایک تو یہ علاقہ اسی کے زیرِ سایہ ہے اور دوسرا روس اس علاقے پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس علاقے کی اپنی حالت یہ تھی کہ یہ ان گنت مذاہب، نسلوں، ذاتوں قبیلوں اور قوموں میں بٹا پڑا تھا۔ جس سب کو برطانیہ نے اپنے دورِ حکومت کو طول دینے کیلئے خود بھی ہوا دی تھی۔ اب خدشہ یہ تھا کہ اگر برطانیہ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلا گیا تو یہ علاقہ کئی چھوٹی چھوٹی اور کمزور ریاستوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے گا۔ جس پر روس بڑی آسانی سے قبضہ کر لے گا۔ اور اگر روس۴ کسی طریقے سے بحیرہ عرب تک پہنچ گیا تو اسے پوری دُنیا پر قبضہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔۱۰ لہٰذا برطانیہ نے ان چھوٹی چھوٹی قوموں کو ایک بڑی ہندوستانی قوم میں ضم کرنے کی کوشش کی جسمیں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہا البتہ وہ بڑی دو تفریقوں یعنی ہندو اور مسلمانوں کے فرق کو ختم نہ کر سکا۔ جسے خود اس نے نعمتِ پوشیدہ (Blessing in disguise)کے طور پر استعمال کیا۔ اور اس علاقے کو دو ایسے ممالک کی صورت میں آزاد کیا جو ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے اور جاتے

جاتے انہیں تقسیمِ پنجاب، تقسیمِ بنگال، کشمیر، جو ناگڑھ اور مناوادر جیسے ایسے مسائل چھوڑ گیا جو انکی دشمنی کو ہوا دیتے رہیں گے۔۱۱

کہا جاتا ہے دشمن انسان کی بقاء کا ضامن ہوتا ہے۔ یعنی اپنے دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو ہمیشہ مضبوط سے مضبوط تر کرنا انسان کی مجبوری یا کمزوری بن جاتی ہے جو اسکی بقاء کو دوام بخشتی ہے لہٰذا یہ دونوں دشمن ملک ایک دوسرے کے مقابلے کیلئے اپنے آپ کو مضبوط رکھیں گے اور اسی مقابلے میں اشتراکیت کا بھی مؤثر طریقے سے سامنا کرتے رہیں گے اور نہ ہی اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ کل برطانیہ کو ہی آنکھیں دکھانے لگیں۔ جسکا متحدہ ہندوستان کی صورت میں خدشہ تھا۔ اسی بنا پر برطانیہ نے اپنی اشتراکیت کی مدافعت (Containment of Commussism) کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے برصغیر کو دو اور صرف دو ہی حصوں یعنی ہندوستان اور پاکستان کی صورت میں آزاد کیا۔۱۲

اس نقطہ نظر کی ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ روس نے اسی منصوبے یعنی بحیرہ عرب تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر حملہ کیا تاکہ افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد پاکستان پر قبضہ کرکے گوادر اور کراچی کے ذریعے بحیرہ عرب اور بحرِ ہند تک رسائی حاصل کرکے سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار امریکہ اور برطانیہ نے ملک پاکستان کے ذریعے روس کو دس سال تک افغانستان ہی الجھائے رکھا۔ بلکہ وہیں پر اس کی جڑیں اکھاڑ دیں۔۱۳

لہٰذا اگر ان دو نظاموں یعنی سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے درمیان یہ بین الاقوامی چپقلش نہ ہوتی تو شاید برطانیہ ہندوستان کو کئی چھوٹے چھوٹے ملکوں کی صورت میں آزاد کرکے جاتا یا پھر اسے ہی بڑے ملک کی صورت میں آزادی نصیب ہوتی۔ یعنی پاکستان کا قیام شائد موجودہ صورت حال میں عمل میں نہ آتا۔

۲۔ صنعتکار اور زمیندار طبقے میں معاشی کشمکش:

Economic Controversy between Agriculturists and Industrialists

اس نقطہ نظر کے حامیوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام

دراصل اُس دور کے زمیندار طبقے اور صنعتکا ر طبقے کی باہمی معاشی کشمکش اور اختلاف کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ برطانوی سامراج کے یہاں آنے اور اس علاقے پر قبضہ کرنے کا بڑا محرک یہاں سے خام مال اکٹھا کرکے جانا تھا۔ اور اپنی صنعت کو فروغ دینا تھا۔ وہ یہاں سے اونے پونے داموں خام مال لے جاتے اور صنعتی مصنوعات یہاں مہنگے داموں فروخت کرتے۔ اس طرح یہاں کے ذرائع پیداوار کے ساتھ ساتھ وسائل اور دولت بھی ان علاقوں میں منتقل ہوتی جارہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب برطانوی استبداد یہاں پوری طرح مستحکم ہوگیا تو اس نے سوچا کہ یہاں سے خام مال اکٹھا کرکے ہزاروں میل دور لیجا کر فروخت کرنے پر بہت سا پیسہ اور وقت خرچ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں صنعتی اور کاروباری دُنیا میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیوں نہ اپنی صنعت یہیں پر لگا ئی جائے۔ یہیں سے خام مال اکٹھا کر کے یہیں پر صنعتی مصنوعات تیار کی جائیں۔ اس سے نہ صرف تجارتی اخراجات یعنی خام مال اور مصنوعات کی آمدورفت پر خرچ ہونے والا پیسہ اور وقت بچے گا بلکہ منافع کی شرح بھی بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے یہیں پر صنعتی علاقے (Industrial Zones) قائم کرنے کی سوچی۔ اس سلسلے میں انہوں نے ابتدائی طور پر جن تین علاقوں کا انتخاب کیا ان میں کرناٹک، کلکتہ اور بمبئی شامل تھے۔[۱۴] کیونکہ یہ علاقے ریل، سڑکوں اور بحری راستوں کے زریعے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ بیرونی دُنیا سے بھی منسلک تھے یا کیے جا سکتے تھے اور پورے ہندوستان سے خام مال ان علاقوں تک اور تیار شدہ مصنوعات نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ دُنیا کے دوسرے علاقوں تک بھی باآسانی پہنچائی جا سکتی تھیں۔

دوسری طرف زرعی اجناس کی صورت میں حاصل ہونے والے خام مال کی ترسیل کو بڑھانے کیلئے انہوں نے یہاں پر ایک وسیع و عریض زرعی اور نہری نظام کی بنیاد ڈالی۔ جسکے لئے زرعی لحاظ سے زرخیز علاقہ یعنی دریا ئے سندھ کے میدانی علاقے کا انتخاب ہوا۔ لہٰذا انہوں نے یہاں پر دُنیا کا سب سے بڑے نہری نظام قائم کیا۔[۱۵] اسطرح ہندوستان دو بڑے علاقوں (Zones) یعنی صنعتی اور زرعی میں تقسیم ہوگیا۔

اس تقسیم میں صنعتی علاقے قدرتی طور پر ہندو اکثریتی علاقے جبکہ زرعی علاقے مسلم اکثریتی تھے۔صنعتی اور زرعی طبقوں میں فطری طور پر ایک معاشی اور معاشرتی کشمکش رہتی ہے کیونکہ یہ دونوں طبقے بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر زرعی نظام مضبوط رہے گا تو صنعتی ترقی نہ ہو پائے گی۔ کیونکہ زمیندار اور جاگیردار طبقہ کبھی بھی اپنے علاقے کے لوگوں کو صنعت میں کام کرنے کی اجازت نہ دیں گے مبادا کہ انکے عوام یا رعایا کے پاس معاشی مواقع آنے سے انہیں تعلیم اور شعور نہ آجائے اور وہ انکی چوہدراہٹ، جاگیرداری اور استبدار کے غلاف آواز نہ کھڑی کر دیں۔[۱۶]

دوسری جانب صنعتکار طبقے کا مفاد اسمیں ہے کہ لوگ آزادانہ طور پر اسکی صنعت میں کام کریں۔ اگر جاگیرداری نظام قائم رہا تو کوئی انکی صنعت میں کام کرنے نہ آئے گا اور صنعت نہ چل سکے گی۔ لہٰذا وہ انہیں تعلیم اور صحت کے ساتھ ساتھ جملہ ضروریات زندگی فراہم کرکے انہیں صنعت میں کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دے گا۔[۱۷]

اس طرح سے علاقائی اور پیشہ وارانہ تقسیم وقت کے ساتھ ساتھ طبقاتی تقسیم کا رنگ دھار گئی۔ صنعتکا ر طبقہ آزادی، انسانی حقوق، حقوقِ نسواں، تعلیم، صحت، آزادئ رائے اور جدت (Modernism)کے ساتھ ساتھ جمہوریت اور جمہوری روایات کا علمبر دار بن کر ابھرا۔ جبکہ زرعی طبقہ روایت پسندی (Traditionalism)کی روش کے ساتھ جدید تعلیم سے دوری خواتین کیلئے پردہ، چادراور چار دیواری، ثقافت کی پاسداری اور روایتی مذہب سے لگاؤ کی شکل میں روایت پسند طبقہ بن کر ابھر۔ صنعتکار طبقہ اور زمیندار طبقہ کی یہ تقسیم جدت پسند (Modernist)اور روایت پسند(Traditionalist)طبقات کی تفریق میں تبدیل ہو گئی۔ اب ۱۸۸۵ء میں جب ہندوستان کی پہلی سیاسی جماعت یعنی انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تو صنعتکار طبقہ جو کہ پہلے ہی جدت پسند اور ہر نئی آنے والی چیز کو خوش آمدید کہنے والا تھانے کُھلے دل سے اسمیں شرکت ختیار کی جبکہ زمیندار طبقے نے اسکی مخالفت کی نتیجاً یہ صنعتکار اکثریت یا دوسرے الفاظ میں ہندو اکثریتی پارٹی بن کر رہ گئی۔[۱۹]

دوسری جانب زمیندار طبقہ نے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے جب ۱۹۰۶ء میں آل

انڈیا مسلم لیگ کے نام سے اپنی جماعت قائم کی تو انہوں نے اس میں شراکت کی ایک ہی شرط رکھی اور وہ ایک خاص مقدار میں زمین کی ملکیت تھی اس ضمن میں تعلیم، آمدن یا کوئی اور معاشی، معاشرتی یا مذہبی درجہ بندی ملحوظ خاطر نہ رکھی گئی۔[۲۰] تاہم بعد ازاں ۱۹۱۳ء میں شراکت کی شرائط میں تبدیلی کرکے ایک قابل اور موثر وکیل محمد علی جناح کو اس پارٹی میں شامل کیا گیا تاکہ وہ اس طبقے کی موثر نمائندگی کرکے انکے مطالبات منوا سکے۔[۲۱]

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ہونے والے ۳۷-۱۹۳۶ کے انتخابات میں بننے والی حکومت کے تلخ تجربات اور ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد برطانوی سامراج کی دم توڑتی حکومت نے اِس روایت پسند طبقہ کو کافی پریشان کر دیا۔ اور انہوں نے صنعتکار طبقے کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت اور جدت پسندی کے روز افزوں بڑھتے ہوئے نظریات کو اپنے جاگیر دارانہ نظام کیلئے شدید خطرہ محسوس کیا اور اپنے لئے ایک الگ ملک لینے کا فیصلہ کیا جہاں وہ اپنا جاگیردارانہ نظام قائم رکھ سکیں۔ بالآخروہ ایک ایسا علاقہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے جہاں پر انکا جاگیردارانہ نظام آج تک قائم ہے۔[۲۲] لہٰذا اس مکتبۂ فکر کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ قیامِ پاکستان دراصل جاگیردار یا روایت پرست طبقہ کے اپنے ذاتی مفادات کے حصول اور تحفظ کی کوشش کے نتیجے میں عمل میں آیا۔

۳۔ برطانوی سامراج کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی:

Divide and Rule Policy of the Britishers Empire

اس نقطہ نظر کے حامیوں کا خیال ہے کہ قیامِ پاکستان یا آزادی کے وقت ہندستان کی دو حصوں میں تقسیم دراصل برطانیہ کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی کا نتیجہ ہے انکا کہنا یہ ہے کہ برطانوی جب تجارت کی غرض سے اس علاقے میں آئے تو اس علاقے کو ذرائع اور وسائل سے مالامال دیکھ کر انہوں نے اسے سونے کی چڑیا (Gloden Sparow) کا نام دیا۔[۲۳] اور اس کے سنہری پر نوچنے کا فیصلہ کیا۔ ایسا کرنا اسی صورت ممکن تھا کہ وہ اس علاقے پر قبضہ کر لیں جو کہ اتنا آسان کام نہ تھا۔ انہوں نے دورانِ تجارت اس امر کا جائزہ لیا کہ جتنا یہ بڑا ملک ہے اور ہر قسم کے وسائل سے مالا مال ہے اتنا ہی اس میں

معاشرتی تنوع بلکہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ یعنی یہاں پر مختلف رنگ، نسل، زبان، قومیت اور مذہب کے لوگ آباد ہیں جو کہ کئی مزید معاشرتی، معاشی، تمدنی اور سیاسی طبقات اور درجہ بندیوں میں تقسیم ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان تمام تفرقات اور تفریقات سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور ایک ریاست کو دوسری ریاست سے، ایک قومیت کو دوسری قومیت سے، ایک نسل کو دوسری نسل، ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے حتیٰ کہ ایک مذہب کے ماننے والوں کو دوسرے مذہب کے پیرو کاروں سے بڑی چابک دستی سے لڑوا دیا اور انکی باہمی چپقلشوں کی وجہ سے اتنا کمزور کر دیا کہ خود ان پر قابض ہو بیٹھے۔[۲۴] ان تمام طبقات نے جب انگریز کی اس چال کو کسی حد تک سمجھ لیا تو انہوں نے انگریزوں کے خلاف (War of Independence) جنگِ آزادی کے نام سے ۱۸۵۷ء میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ یہ تحریک پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور جسطرح ہر وہ تحریک جو کامیاب ہو جائے انقلاب کہلاتی ہے لیکن اگر وہی تحریک نا کام ہو جائے تو بغاوت کے نام سے منسوب کی جاتی ہے چونکہ یہ تحریک بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی اور انگریز نے اپنی وہی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی اپنا کر اسے بڑی زیرک دستی سے کچل دیا۔ انہوں نے اسے بغاوت ہند (Revolt of India) کا نام دیا اور اپنی حکومت کو استحکام بخشنے اور آئندہ کسی بھی ایسی تحریک یا بغاوت سے بچنے کیلئے انہوں نے اپنی روایتی حکمتِ عملی یعنی تقسیم کرو اور حکومت کرو پر عمل جاری رکھا۔[۲۵] اور جب وہ اس علاقے سے واپس جانے لگے تو انہوں نے باقی قومیتوں کو تو اپنے سیاسی مفادات کے حصول کی خاطرا اکٹھا کر لیا لیکن دو بڑی قومیتوں یعنی ہندو اور مسلمان کی تفریق کو اپنے ہی مفادات کی خاطر ہوا دے دی اور اِن دونوں ملکوں کو اس صورت ِحال میں آزادکیا کہ وہ نہ صرف آپس میں دست و پا رہیں بلکہ ہمیشہ اس کے مرہونِ منت ہیں۔ لہٰذا انہوں نے برصغیر کو متحدہ ہندوستان کی صورت میں آزاد کرنے کی بجائے اسے دو لخت کر دیا۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو کی اس پالیسی کا سلسلہ یہیں نہیں رکا بلکہ برطانیہ اور امریکہ کی اسی پالیسی کی وجہ سے بعد میں پاکستان مزید دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

۴۔ نظریاتی بنیاد

Ideogical Basis

چوتھا اور حتمی نقطہ نظریہ ہے کہ قیامِ پاکستان کی اساس خالص نظریاتی بنیادوں پر ہے۔۲۶ اور قیام پاکستان کی صورت میں اس نظریے کا اطلاق اپنی ابتدائی شکل سے موجودہ صورت میں محمدﷺ سے محمد علی جناح تک ہے۔ یعنی وہ نظریہ جو نبی آخرالزمان محمدﷺ ۵۷۱ء میں اس دُنیا میں لے کر آئے۔ اور انہوں نے(لکم دینکم ولی دین) یعنی تمہارے لئے تمہارا راستہ اور میرے لئے میرا راستہ۔ کا اعلان کر کے دو قومی نظریے کا ابتدائی اظہار حجاز میں کیا اور دُنیا کی پہلی نظریاتی ریاست کی بنیاد مدینہ منورہ میں رکھی۔۲۷ اسکے بعد خلفائے راشدینؓ نے اس نظریہ کو دُنیا کے دوسرے علاقوں تک پہنچانے کا ذمہ لیا۔ اسی تسلسل میں محمدؐ کا دیا ہوا یہی پیغام لیکر محمد بن قاسم ۷۱۱ء میں ہندوستان آیا اسکے بعد غزنویوں، غوریوں، غلاموں، خلجیوں، تغلقوں، سیدوں، لودھیوں اور بالآخر مغلوں نے اسی پیغام کو اپنے اپنے انداز میں بافذ کرنے اور اسکے فروغ کی ہر ممکن کوشش کی۔۲۸

۱۲۰۶ء میں قائم ہونے والی ہندوستان کی پہلی مسلم حکومت سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کسی نہ کسی صورت میں اس نظریے کا پر چار جاری رہا۔ تاہم انگریز دورِ حکومت میں مسلمانانِ برصغیر نے اپنے اس نظریے کو کمزورز ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لئے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا جس کی اساس انہوں نے (لَاالِـہٗ اِللہ)کو قرار دیا۔۲۹ جسکی بنیا د انہی اصولوں پر ہو گی جن اصولوں پر آج سے ۱۴۹۴ سال پہلے محمدﷺ نے دُنیا کی پہلی نظریاتی ریاست کی بنیاد ۶۳۱ء میں رکھی۔ اور اس ریاست کے قیام کو عمل میں لانے کا عظیم کارنامہ محمدﷺ کے ایک نامدار پیروکار جسکا اپنا نام بھی محمد ہی تھا یعنی قائداعظم محمد علی جناح نے سرانجام دیا۔ لہٰذا اس نقطہ نظر کے مطابق قیامِ پاکستان دراصل ایک تاریخی تسلسل کا نام ہے جو محمدﷺ سے محمد بن قاسم اور محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ عالمی جنگ(World War) کو اُردو میں اکثر جنگ عظیم لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ مصنف ہذا جنگِ عظیم کے لفظ سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ عظیم کا خاصہ امن کے ساتھ تو منسوب ہو سکتا ہے جنگ کے ساتھ نہیں۔ لہٰذا وہ World War کا ترجمہ عالمی جنگ ہی کرتا ہے۔

2. Gunnar Myrdal, Asian Drama: *An Enquiry into the Poverty of Nations,* Vol. 1969, 133; Arthur Meier Schlesinger Jr. General Editor, Vol. 2, The Dynamics of World Power, *A Documentary of United States foreign policy 1945-1973,* (New York: Chelsea House Publishers, 1973), 166-69.

3. Rajani Palme Dutt, *The Crises of Britain and the British Empire* (London: Lawrence & Wishart Ltd., 1957); William Warbey , M.P., Vietnam The Truth (London: Merlin Press, 1965), 26-30; D. F. Flemming, *The Cold War and its Origins,* 1917-1960 (New York: Doubleday, 1967), Vol. 1, 300-10.

4. Schlesinger, *The Dynamics of World Power, 191-95; A. Z. Minfred,* A Short History of the World Progress (Moscow: Progress Publishers, 1974).

5. Niall Ferguson, *Empire: How Britain Made the Modern World* (New York: Penguin, 2004); Andre Fontain, *History of the Cold War from the October Revolution to the Korean War* (New York: Pantheon Books, 1968).

6. Ferguson, *Empire: How Britain Made the Modern World; Fontain, History of the Cold War from the October Revolution to the Korean War.*

7. Lloyed C. Gardner, *A Covenant with Power: America and World order from Wilson to Reagon* (New York: Knopf, 1984); Abulkalam Azad, India Wins Freedom (Calcutta: Orient Longmans, 1964);

8. Mao-tse Tung, *Selected Works of Maotse Tung* (Peking: Foreign Language Press, 1963); Noor Ahmed, *Martial Law se Martial Law Tak* [[Urdu: From Martial Law to Martial Law] (Lahore, 1966).

9. Gardner, *A Covenant with Power; Tung, Selected Works of Maotse Tung.*
10. Gardner, *A Covenant with Power; Fontain, History of the Cold War from the October Revolution to the Korean War.*
11. Russel Briens, *The Indo Pakistani Conflict* (London: Pall Mall Press, 1968); H. V. Hudson, The Great Divide: Britain, India and Pakistan (Karachi: Oxford University Press, 1985).
12. Larry Collins and Dominique Lapierre, *Freedom at Midnight* (London: St James Palace, 1975); Hudson, The Great Divide: Britain, India and Pakistan.
13. Jawahar Lal Nehru, *The Discovery of India* (Bombay: Asian Publishing House, 1945); Gardner, *Sphere of Influence: The great Powers Partition, Europe from Munich to Yalta.*
14. Hudson, *The Great Divide: Britain, India and Pakistan; Nehru, The Discovery of India.*
15. S. M. Ikram, *Modern Muslim India and the Birth of Pakistan, 1858-1951* (Lahore: Sh. M. Ashraf, 1965).
16. Tung, *Selected Works of Maotse Tung; Minfred, A Short History of the World Progress.*
17. Tung, *Selected Works of Maotse Tung; Minfred, A Short History of the World Progress.*
18. Panderal Moon, *Divide and Quit* (London: Chatto and Windus, 1964); R. C. Mojamdar History of the Freedom Movement in India (Lahore: Book Traders, 1979).
19. V. P. Menon, *The Transfer of Power in India* (New Jersey: Princeton, 1957); Ikran, Modern Muslim India and the Birth of Pakistan, 1858-1951.
20. Larry Collins and Dominique Lapierre, *Freedom at Midnight* (London: St James Palace, 1975); Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Struggle for Pakistan* (Karachi, University of Karachi, 1974).
21. Chaudhary Muhammad Ali, *The Emergence of Pakistan* (Columbia: Columbia University Press, 1967); M. Aslam Qureshi, *Anglo-Pakistan Relations* (Lahore: Research Society of Pakistan, 1976).

22. Ian Stephen, *Pakistan* (London: Penguin Books, 1964); Stanley Wolpert, *Zulfi Bhutto of Pakistan: His Life and Time* (Bombay: Oxford University Press, 1993).
23. Zafarullah Khan, *Tehdis-e-Nemat* [Urdu: Documenting the Blessing] (Dhaka: Dhaka Benevolent Association, 1971); Flemming, *The Cold War and its Origins,* 1917-1960; Minfred, A Short History of the World Progress.
24. C. H. Phillip and Mary Doreen Wainright, *The Partition of India* (London, 1970); Fazal Muqeem, *Tag-o-Taze Javedana* [Urdu: Eternal Passion] (Lahore: Oxford University Press, 1967).
25. Jameel ud Din Ahmad, *Historic Documents of Muslim Freedom Movement* (Lahore: Publishers United, 1970); Moon, Divide and Quit; Muhammad Yameen Khan, *Nama-e-Amaal* [Urdu: Balance Sheet of Deeds] (Lahore, 1970).
26. Feroz Khan Noon, *Chasham Deed* [Urdu: Eye Witness] (Lahore: Ferozsons Ltd., 1974).

    Ali, *The Emergence of Pakistan;* Qureshi, *The Struggle for Pakistan;* Khan, *Tehdis-e-Nemat.*
27. Ikram, *Modern Muslim India and the Birth of Pakistan, 1858-1951;* Khan, *Tehdis-e-Nemat; Jameel ud Din Ahmad, Historic Documents of Muslim Freedom Movement* (Lahore: Publishers United, 1970).
28. Ikram, *Modern Muslim India and the Birth of Pakistan, 1858-1951;* Khan, *Tehdis-e-Nemat;* Ahmad, *Historic Documents of Muslim Freedom Movement.*
29. Ikram, *Modern Muslim India and the Birth of Pakistan, 1858-195;* Qureshi, *The Struggle for Pakistan.*